ڈاکٹر میاں ظفر مقبول

کافی کیا ہے؟

’’کافی‘‘ کیا ہے؟ اس کی ابتدا کب ہوئی؟ اس کا تعلق کس علاقے سے ہے؟ اور اس کا پہلا شاعر کون ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے جس کیلئے محققین کی آراء پیش کرنا بے حد ضروری ہے۔ ابتدا میں صرف یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ’’کافی‘‘ سخن و ادب کی وہ صنف ہے جس کا تعلق ہمارے صوفیائے کرام سے ہے اور یہ پاکستانی ادب کی تسلیم شدہ اصناف میں سے ایک ہے۔ اس میں شاعر اپنے مافی الضمیر کو واضح کرنے کے لئے عروض کو اپنے اوپر کلی طور پر نافذ العمل نہیں کرتا۔ شاید اسی لئے محققین کو اس پر انگشت نمائی کا موقع میسر آتا ہے۔

’’کافی‘‘ کے فن یا تاریخ کی بحث سے پہلے ہم اگر لفظ کافی کو ایک نظر دیکھتے چلیں تو مناسب ہوگا۔ ’’کافی‘‘ کا لفظ اردو/ پنجابی میں معنوی لحاظ سے ایک ہی طرح استعمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز کے مناسب یا حسب ضرورت پورا ہونے کو ثابت کرنا ہے جیسے ’’میرے لئے یہ کافی ہے‘‘ اس فقرے سے عیاں ہے کہ زیر بحث چیز ضرورت کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے مگر مصرف سے زائد نہیں۔ اس کو ہم قناعت کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اگر اس بات کو یہیں ختم کرنا مقصود ہو تو پھر صوفیائے کرام یا اولیاءاللہ سے زیادہ قناعت پسند اور متوکل کون ہو سکتا ہے؟ اس صنف کو چونکہ متعارف کرانے والے صوفیاء ہیں، اسلئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ’’کافی‘‘ کو اسی لئے ’’کافی‘‘ کہا جاتا ہے۔

اس صنف کو انگریزی کی سانیٹ کے قریب تر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ مگر لفظ ’’کافی‘‘ کا تعلق عربی زبان سے جوڑا جاتا ہے جس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ’’ف‘‘ کا حرف پنجابی اور سندھی زبان کی نچی آواز نہیں ہے اس کی تائید میں بعض محققین کی آراء یوں ہیں:۔

جناب قدر آفاقی کا کہنا ہے کہ یہ لفظ ’’کفی‘‘ سے ماخوذ ہے۔

اور یہ لفظ قرآن پاک میں'' وکفیٰ باللہ شھید'' استعمال ہوا ہے۔

جس کے معنی'' ضرورت کے مطابق پورا'' کے ہیں اور اس لفظ کا تعلق عربی سے ہے علاوہ ازیں وہ اس کا تعلق'' اصحاب کہف'' سے بھی ملاتے ہیں۔(۱) تاہم 2000ء میں انہوں نے چھیماہی کھوج شمارہ 44 میں اپنا نظریہ بدلنے کا اعلان کیا اور کہا کہ میرے نزدیک یہ لفظ سورہ فاتحہ سے لیا گیا ہے۔ اور انہوں نے سابقہ تمام آراء سے دستبردار ہونے کا اعلان بھی کیا۔

سید عطا حسین موسوی ''کف'' کے معنی دف کی لکڑی بتاتے ہیں جس سے گھنگرو باندھے ہوتے ہیں۔(۲) سعید بھٹہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت ہے کہ اس کو پہلے کامی (کام بمعنی عشق اور ہوا و ہوس) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اکثریت کی رائے میں کافی بمعنی کامل ہے۔(۳)

جناب عبدالغفور قریشی اس کو'' قوافی'' کی بگڑی ہوئی صورت بتاتے ہیں۔(۴) جناب وارث سرہندی اسے'' قافیہ بندی'' کا نام دیتے ہیں۔(۵) ایک محقق تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس کو'' تک بندی'' گردانا ہے۔(۶) پروفیسر شریف کنجاہی فرماتے ہیں''یہ کہنا کہ یہ قافیہ ہے ٹھیک نہیں''۔(۷)

جناب ڈاکٹر اختر جعفری اس کو پنجابی صنف قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک شاہ حسینؒ کافی کے پہلے شاعر ہیں ان کی تحقیق یہ ہے کہ ان سے پہلے ہمیں ''کافی'' کا وجود نہیں ملتا(۸) مگر جناب آصف خان کا کہنا ہے کہ حضرت شاہ حسینؒ سے قبل ہمیں ''کافی'' ملتی ہے ان کا کہنا ہے کہ'' گرنتھ صاحب'' میں بابا نانک کی تین کافیاں ''راگ آسا'' ''راگ سوہی '' اور''راگ مارو'' میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ہمیں دو کافیاں گرو ارجن دیو اور ایک کافی گورو تیغ بہادر کی بھی ملتی ہیں۔(۹) اس بیان کی روشنی میں شاہ حسینؒ کو پہلا کافی نگار تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

پروفیسر دلشاد کلانچوی اسکو انگریزی کی لیرک صنف(LYRIC) سے جوڑتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ'' کافی'' کی پہلی شکل ''وائی'' ہے''وائی'' کو کافی کا نام اس وقت دیا گیا جب

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی کافی شائع ہو کر سامنے آئی۔(۱۰)

جناب محمد غوثی مانڈوی ''کامی'' کو سندھ کے معروف راگوں میں گنتے ہیں (۱۱)

جناب ابو الفضل کے نزدیک یہ سندھی راگ ہے۔ سندھ میں یہ راگ لوری دینے والوں اور ملنگوں کے ذریعے سے ایران پہنچا جہاں لوری موسیقی کے دائرے میں آتی ہے۔ اس انداز میں گانے والے کچھ ایرانی جب ہندوستان پہنچے تو ان کو سن کر حضرت امیر خسروؒ نے بتایا کہ یہاں پر بھی یہ صنف موجود ہے ہم اس کو ''کافی'' کے نام سے پہچانتے ہیں۔(۱۲) اسی بنیاد پر ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سیّد منظور نقوی اور مولانا غلام محمد گرامی اس کو سندھی صنف مانتے ہیں۔

یہاں ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ''کافی'' کی ہیئت آج تک اس طرح مقرر نہیں ہوئی جس طرح کہ دوسری اصناف سخن کی گئی ہے تاہم اس کو ''تک بندی'' کہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اس صنف کو نقصان دوسری منظوم اصناف سے کہیں زیادہ مشکل ہے جس سے متعلق آگے چل کر بات ہوگی۔

ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو نے ''کافی جو وزن'' میں مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ ۔ شیخ محمد ابراہیم خلیل ۔ ڈاکٹر اسد اللہ حسینی ۔ پروفیسر عطا محمد حامی اور نواز علی بلوچ پر بحث تو خوب سیر حاصل کی ہے(۱۵) مگر کافی کی ہیئت پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالی۔

تک بندی پر ایک نظر:

با شعور لوگ کوئی کام کرنے سے پہلے اس سے متعلق قواعد و ضوابط بناتے ہیں۔ شاعری کے لئے جو قاعدے اور اصول وضع کئے گئے ہیں انہیں عروض کا نام دیا جاتا ہے اور جب ہم عروض کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے خلیل بن احمد کا نام آتا ہے جس کا تعلق عربی ادب سے ہے اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ شاعری کے عروض بنانے والا یہ شخص خود شاعر نہیں۔ خلیل بن احمد کا دور 719ء تا 791ء ہے۔ یہ ادب میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے شاعری کے لئے پندرہ بحریں بنائیں۔ بعد ازاں ابو الحسن اخفش کی تحقیق کے مطابق سولھویں صدی میں ان میں کچھ اضافہ ہوا۔ اس طرح عربی۔ فارسی اور پنجابی بحروں کی تعداد انیس تک پہنچ گئی۔ اندراج

مخلص (ہندی وشوکوش) اور ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ بھی اس سے متفق ہیں۔

مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ ''کافی'' کا تعلق نہ صرف عروض سے ہے بلکہ اس کا زیادہ تعلق موسیقی سے ہے۔ تاہم کافی موسیقی کے متعلق زیادہ گفتگو نہیں کی تاہم کافی نگار کو موسیقی کی دھنوں سے شناسا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ موسیقی (Musica) لاطینی زبان کا لفظ ہے اسے یونانی میں Vougixn لکھا جاتا ہے۔ موسیقی کے فروغ میں مصر کا ذکر بطور خاص کیا جاتا ہے۔ موسیقی سے غناء مراد ہے اور یہ گنگنانا، سُر لگانا، ہیک لگانا، آلات موسیقی کے محتاج نہیں۔ عربوں اور ایرانیوں کے ہاں ظہور اسلام سے پہلے اس کے شواہد ملتے ہیں تاہم انہوں نے آٹھویں، نویں صدی عیسوی میں یونانی زبان سے کیے گئے تراجم کا بہت اثر قبول کیا۔

ماہر ریاضی، طبیعات ابو النصر الفارابی (۳۳۹ھج / ۹۵۰ء) نے دسویں عیسوی میں طنبورالبغدادی یا المیزانی کے نام سے موسیقی آلہ رائج کیا۔ دسویں صدی عیسوی میں ماہر ریاضی الخوارزمی نے موسیقی کو ریاضیاتی علوم میں شامل کیا۔

تیرھویں صدی عیسوی میں سلطان شمس الدین التمش (۵۳۲ھج / ۱۲۳۶ء) کے دور میں اس پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جبکہ چودھویں صدی عیسوی اکبری دور میں موسیقی کے نظری اور عملی پہلوؤں پر ''آئین اکبری'' میں ایک باب مخصوص کیا گیا جسے ابوالفضل نے سنگیت کا نام دیا، جبکہ امیر خسروؒ (۱۲۵۳ھج-۱۳۲۵ء) نے چودھویں صدی عیسوی میں ایرانی اور ہندوستانی سُروں کو ملا کر نئے راگ اور راگنیاں ایجاد کیں۔ (۱۴) مزید تفصیلات کیلئے اسے طبلے کی تال اور سُر سنگار سے پوری طرح واقفیت رکھے بغیر گزارہ نہیں، خاص کر یہ راگ توجہ کے متقاضی ہیں:۔

تن تال۔ دادرا۔ تلوڑا۔ لہروا۔ روپک یا مغلئی۔ دھپ تال یا دیپ چندری۔ جھومرا۔ اکتالہ اور کئی دوسرے راگ۔

محمد آصف خان فرماتے ہیں کہ موسیقی میں دس ٹھاٹھ ہیں ان دس ٹھاٹھوں میں ایک کافی ہے۔ کافی ٹھاٹھ ہے۔ کافی ٹھاٹھ میں سے راگ نکلتے ہیں۔ (۱۶) اختر علی اس سے قبل موسیقی کو چار علامتوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔آدم مت: اس میں پانچ راگ اور تیرہ راگنیاں ہوتی ہیں۔
۲۔کلناتھ مت یا کرشن مت: اس میں چھ راگ اور انیس راگنیاں ہوتی ہیں۔
۳۔ بدھ مت: اس میں چھ راگ اور بائیس راگنیاں ہوتی ہیں۔
۴۔ بھرت مت: اس میں چھ راگ اور سولہ راگنیاں ہوتی ہیں جن میں ایک''کافی راگنی'' ہے۔(۱۷)

مگر قدر آفاقی اس سے متفق نظر نہیں آتے ان کا کہنا ہے کہ کافی راگ سرے سے ہی نہیں اگر ایسا ہوتا تو اس کا نام کافی کی بجائے'' کا پھی'' ہوتا۔(۱۸) ڈاکٹر نذیر احمد کہتے ہیں'' کافی'' کا غالباً کافی راگ سے کوئی تعلق نہیں لیکن ایک کافی کو مختلف راگوں میں گانے کی مثالیں موجود ہیں۔(۱۹) سید علی عباس جلالپوری کہتے ہیں کہ ہندوستانی موسیقی میں کافی راگ اور ٹھاٹھ بھی ہے۔(۲۰) لیکن ان سب آرا پر موسیقار استاد اختر علی کی رائے کو فوقیت حاصل ہے۔

اب قاری یقیناً راگ اور راگنی کا فرق جاننے کا متمنی ہوگا تو اس ضمن میں عرض ہے: جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ راگ مذکر ہے اور راگنی مؤنث ہے۔ جس طرح ٹھاٹھوں سے راگ نکالے جاتے ہیں اسی طرح راگوں سے راگنیاں نکالی جاتی ہیں۔ اب ٹھاٹھ کا لفظ تشریح طلب ہے۔

پرانے گویّوں اور کلاسیکل موسیقاروں نے اپنے اپنے اصول بنائے ہوئے تھے۔ سامعین کے مقبول نظر ہونے کے لئے نئے موسیقاروں نے راگوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا جس کی وجہ سے متوں اور راگوں کا تعلق ایک دوسرے سے ختم ہو گیا۔ کاغذی لحاظ سے اس وقت ہمارے ہاں دس ٹھاٹھ مقرر ہیں: جن کا ذکر کیفی جاپوری نے کیا ہے۔

۱۔کلیان ٹھاٹھ۔۲۔ بھیرویں ٹھاٹھ۔۳۔ بھیروں ٹھاٹھ۔۴۔ تو ڈی ٹھاٹھ۔ ۵۔ اساوری ٹھاٹھ۔
۶۔ بلاول ٹھاٹھ۔ ۷۔ راگھماج ٹھاٹھ۔ ۸۔ پوربی ٹھاٹھ۔ ۹۔ ماروا ٹھاٹھ۔ ۱۰۔ کافی ٹھاٹھ۔

کافی ٹھاٹھ سے متعلق راگ راگنیاں یہ ہیں

بھیم پلاسی۔ باگیشری۔ شدھ بہار۔ مدھ مادھ۔ سارنگ۔ مہان دی وار۔ راگ دیسی پیلو۔ پٹ

منجری۔ پٹ دیپ۔ ان کے علاوہ کافی کا نمبرہ۔ شاہانہ کا نمبرہ۔ بھوگی کا نمبرہ اور راگ کافی۔

آج سے کوئی سات سو سال قبل کافی راگ (سپورن تان) حضرت امیر خسروؒ نے ایجاد کیا تھا جس کو پنڈت سارنگ دیونے "رتنا کر" میں "ہر پیا میل" کا نام دیا ہے۔

سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔

اس سے ملتا جلتا ایک سندھڑا راگ ہے جس کی وجہ سے کافی کو سندھی صنف کہا جاتا ہے۔

پا۔ گا۔ رے۔ سا۔ ما۔ دھا۔ نی۔

اس راگ کو نیا رنگ دینے کے لئے یوں بھی پیش کیا جاتا ہے:

ساسا۔ رے رے۔ گاگا۔ ماما۔ پاپا۔(۲۱)

یہ کاغذی قاعدے اور اصول کی بات ہے ویسے کافی ہر راگ میں گائی جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج کا گویا راگ۔ راگنی۔ ٹھاٹھ یا مت کے چکروں میں نہیں پڑتا یا یوں کہہ لیں کہ اس کو ان سے کوئی خاص شناسائی نہیں ہے۔ اور نہ اس کے پاس ریاض کے لئے وقت ہے اور سننے والے شائقین بھی ......

کافی لکھنے والے اس کو دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ یا سات مصرعوں کی ترتیب میں لکھتے ہیں۔ بعض اوقات کلام زیادہ مصرعوں کا متقضی کلام ہوتا ہے۔(۲۲) آخری مصرع مشترک ہوتا ہے جو ہر بار دہرایا جاتا ہے کیونکہ کافی میں ٹیپ کا بند چاہئے۔ قافیہ ہو، مصرع ہو یا پورا شعر وہ اپنی جگہ ایک مکمل کافی ہوتا ہے صدیق تاثیر بھی اس سے متفق ہیں (۲۳) اور طلبہ نواز اسی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ جس طرح پرانے موسیقاروں کے بنائے ہوئے اصولوں پر موجودہ موسیقار عمل نہیں کرتے اسی طرح نئے لکھنے والے پرانے لکھنے والوں کو سامنے رکھ کر اس طرح نہیں لکھتے جس طرح کہ پرانے لکھنے والے صوفی شعراء نے اس کو تبلیغ کا ایک ذریعہ بنایا ہوا تھا۔ وہ خود کو مکان اور رب العزت کو اس مکان کا باسی بتاتے تھے۔ خود ہیر/معشوق بنتے اور خدا کو رانجھا عاشق کے روپ میں پیش کرتے تھے۔ وہ اپنا اظہار عام طور پر عورت کی زبانی کراتے تھے۔ ہماری پرانی کافیوں میں خدا کی وحدت معرفت اور پیشوائی نظام کا پرچار بہت زیادہ ملتا ہے۔ یہ

الگ بات ہے کہ تعزیرات پاکستان میں اس بات کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔(۲۴)

دیکھئے حضرت سلطان باھوؒ اپنے مرشد سے اپنی عقیدت کا اظہار کس طرح کرتے ہیں:

ایہہ تن میرا چشماں ہووے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہو
لوں لوں دے مڈھ لکھ لکھ اکھاں اک کھولاں اک کجاں ہو
اتنا ڈٹھیاں صبر نہ آوے فیر ہور کِت ول بھجاں ہو
دید مرشد دی باھو سانوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

ہمارے بہت سے صوفی شعراء نے وحدت الوجودی مسلک کے پیش نظر کافیاں لکھی ہیں جس کے مطابق انہیں ریت کے ذرّے سے لے کر ٹیلے تک ہر چیز میں خدا ہی خدا نظر آتا ہے اور کئی بار ایسا بھی ہوا کہ جب بندہ مومن کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان بن جاتی ہے تو منصور کی طرح شاہ حسینؒ بھی پکار اٹھا ہے کہ

کہے حسین فقیر نمانا میں نہیں سب توں

کافی کے موضوعات سے متعلق پروفیسر دلشاد کلانچوی فرماتے ہیں کہ اس میں مذہب، الٰہیات، واحدۃ الوجود، ہمہ اوست، تزکیہ نفس، تطہیر قلب، پاکیزگیٔ اخلاق، قرب الٰہی اور ترکِ دنیا جیسے موضوعات زیر بحث نظر آتے رہتے ہیں۔(۲۵) شاید انہی موضوعات کی وجہ سے یہ تصوف کی صنف گردانی گئی ہے۔ جب ہم کافی نگاروں کی بات کرتے ہیں تو ہمیں پنجابی میں جو کافی نگار ملتے ہیں ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ جن پنجابی شعراء کا ذکر کافی نگاروں کے حوالے سے سامنے آتا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

فرید الدین مسعود گنج شکرؒ۔ خواجہ فریدؒ۔ سلطان باھوؒ۔ بلھے شاہؒ۔ شاہ حسینؒ۔ سیّد میراں شاہؒ۔ محمد بخش نوروز۔ سیّد اکبر شاہ۔ لیٰسین نظامی (نعتیہ کافی نگار) حشمت شاہ۔ مجید۔ نجم حسین سیّد۔ جندن ملتانی۔ (بازارحسن) اور مشتاق صوفی (بیٹھ وگے دریا)

ان کے علاوہ کیفی جام پوری نے ہمیں جن سندھی/سرائیکی شعراء سے متعارف کرایا ہے ان کے نام یہ ہیں:

مولوی عبدالکریم۔ علی حیدر۔ کچل سرمست۔ منشی غلام حسن شہید۔ فرید سہروردیہ۔ جوگی (میاں صاحب والے) عمر خان شاہد۔ حاجی اللہ بخش خادم۔ مولانا حافظ نصیر الدین خرم بہاولپوری۔ غلام رسول خان جانباز۔ اور سید غلام رسول شاہ عاصم اچوی (۲۶)

کچھ نام ہمیں پروفیسر دلشاد کلانچوی کے ذریعے سے ملے ہیں جو یہ ہیں:

صالح محمد۔ دلدار بلوچ۔ غلام حسین زائر۔ اقبال سوکڑی۔ نقوی احمد پوری۔ صدیق طاہر۔ سرور کربلائی اور سفیر لشاری۔ (۲۷)

سعید بھٹہ صاحب نے ان کے سوا بھی کچھ نام دریافت کئے ہیں، شاہ شرف، منشی غلام حسن گامن، فقیر غلام حیدرم بخش علی جتوئی، سوبھا فقیر، مخدوم الملک سید، نور دین مسکین، لبھو شاہ۔ (۲۸)

جبکہ کافی نگاروں کی فہرست میں قدر آفاقی نے ان ناموں کا اضافہ بھی کیا ہے، کشن سنگھ عارف، قادر بخش بیدل، خادم حسین، اللہ وسایا وسیل، محمد خان، رمضان قاصد، میاں عمر علی نیاز، بشیر احمد پردیسی، رحیم بخش زخمی، محمد طفیل مظلوم، جانباز جتوئی، کرم گیلانی، نقیب جعفری، پیر بخش بھنور شاہ، حافظ محمد دین (منانوں والے)، عبدالرحمٰن، شاغل خاں، غلام اکبر شاہ، آزاد جعفری، رائے ریاض حسین ریاض، کلیم جتوئی، میاں محمد اسماعیل منظر، لبھو شاہ، عبدالرحیم رحیم، بابا محمد شریف، عالم شاہ، میاں ظفر مقبول، دائم اقبال دائم، سید زاہد حسین، حنیف حنفی، شبیر حسین ناظم، نور محمد نور لاڈیکا، بشیر باوا، تنویر بخاری، سائیں حیدر شاہ، محمد صابر چشتی، قدر آفاقی، حکیم علی محمد راز۔ (۲۹)

ان شعراء سے تو قارئین پہلے سے واقف ہیں اور میں یہاں صرف ان شعراء کا تعارف کرانا چاہتا ہوں جن سے متعلق محققین نے اس سے قبل یا تو بات ہی نہیں کی اور اگر کی بھی ہے تو واجبی سی۔

پنجابی ادب میں ایک نام سائیں مولا شاہؒ (۱۸۳۶۔۱۹۴۴) کا آتا ہے وہ مجیٹھ ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے اور وصال کے بعد تبرتیزی ضلع گورداسپور میں مدفون ہوئے۔ آپ متعدد

کتابوں کے مصنف ہیں(۳۰) ان کی کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گزری جس میں انہوں نے کافی کو شامل نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ ان کی پہلی کتاب ''ڈاچی مولا شاہ'' آٹھ صفحات کی ہے (جو1896ء کے لگ بھگ شائع ہوئی تھی) میں بھی ان کی ایک کافی موجود ہے جبکہ ان کی ''مرزا صاحباں'' (1909) میں بے شمار کافیاں ہیں''بگال بشنو'' (1910ء) میں کچھ کافیاں ہیں'' ہیر رانجھا'' (1912ء) اور''سسی پنوں'' (1922ء) میں ان گنت کافیاں ہیں علاوہ ازیں ''ست گنج آرسی نامہ'' عرف''زہرہ مشتری'' (1938ء) میں بھی ایک آدھ کافی پڑھنے کو ملتی ہے۔(۳۱) 1988ء میں سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ نے ان کافیوں کو''لکیں لکیں آ گیا'' کے نام سے شائع کیا ہے جس کی ترتیب و تدوین کا شرف راقم کو حاصل ہے مگر اس سے قبل اس شاعر کا ذکر کافی نگار کے حوالے سے مولا بخش کشتہ سے قبل کسی محقق نے نہیں کیا۔''لکیں لکیں آ گیا'' کے صفحہ ۷۵ اور ۷۶ سے دو کافیوں کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

یاری لا کے دغا کمایا
دس ہتھ کیہ تیرے آیا
کتھے گئے اوہ قول قرار
ڈاچی والیا موڑ مہار وے

اچھل ندیاں نیر واہائے
گھر پردیسی کیوں نہیں آئے
اونہاں کیہڑی گلے چت چایا وے
تو گھر آ جا وے رُسیا(۳۲)

سائیں مولا شاہ بعض جگہوں پر اپنے سے پہلے شعراء سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کو ذرا بلھے شاہؒ کے قول کی نفی کرتے ہوئے ملاحظہ فرمائیں۔

کر علموں یار نہ بس وے
اک الف کیہڑے کم دس وے

سائیں مولا شاہؒ کے بعد ہمیں ایک نام لبھو شاہؒ کا ملتا ہے۔ ابوالکمال برق صاحب کا کہنا ہے کہ ان کے دوہڑے'' گنجِ عرفان'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں ۔(۳۲) جبکہ عبدالغفور قریشی صاحب کا کہنا ہے کہ اس کے علاوہ انہوں نے نعتیں، کافیاں اور ہیر کا قصہ بھی نظمایہ ہے(۳۳)۔ بابا لبھو شاہؒ کا تعلق جگدیو ہاشم شاہ ضلع امرتسر سے تھا۔ آپ فضل دین کمبوہ کے لختِ جگر تھے۔ آپ پنجابی کے معروف شاعر سسّی کے خالق حضرت ہاشم شاہؒ کے متولی تھے اور ان کے پوتے حضرت نتھے شاہؒ کے مرید تھے۔ بابا لبھو شاہؒ 1947ء میں 82 سال کی عمر میں شہید ہوئے ان کی کافی کا نمونہ ملاحظہ ہو:

لبھو شاہ گل پیر سنائی
جس نے ہستی خاک رلائی
اوہ ہوگیا جگ دا لاڑا(۳۴)

1961ء میں سید احمد شاہؒ کی کتاب احمد صمدانی المعروف بہ گنجِ معانی مطبوعہ سید صابر شاہؒ ملتی ہے۔ ان کے دادا حضرت نور شاہؒ کشمیر محلّہ ملا سری نگر سے نقل مکانی کر کے کماپور خورد متصل رمداس تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر آئے یہیں ان کی پیدائش 1838ء میں ہوئی۔ 1900ء میں وصال کے بعد کوٹلی جولا ہیاں گوجرانوالہ المعروف کوٹلی پیر احمد شاہ میں آپ کا مزار بنایا گیا ہے(۳۵)۔نمونہ کلام

تیری واحد ذات نیاری اے
واہ وا سوہنی کھیل کھلاری اے
توں سلطان بڑا سلطاناں دا
توں مالک دونہاں جہاناں دا
ہر ایک نوں تیری یاری اے
تیری واحد ذات نیاری اے
توں رازق رزق پہنچاون دا

تیرا قاعدہ فضل کماون دا
سانوں مدد تیری بھاری اے
تیری واحد ذات نیاری اے(۳۵)

کافی کے حوالے سے ایک اور نام عبدالرحیم رحیم نوشاہی امرتسری بھی سامنے آتا ہے جن کی کتابیں ''گلدستہ عقیدت'' اردو/ پنجابی دو جلدوں میں اور ''سی حرفی عارفانہ'' مارکیٹ میں دستیاب ہیں لیکن ان سے متعلق کتابوں میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتیں البتہ ابوالکمال برق صاحب فرماتے ہیں کہ آپ تقسیم ملک کے بعد منٹگمری بازار فیصل آباد میں رہائش پذیر ہوئے (۳۶) اور یہ معلومات ہمیں ان کی کتابوں سے بھی ملتی ہیں۔ ان کی ''گلدستہ عقیدت'' میں مناقب نعتیں اور کافیاں ہیں۔ میرے پاس ان کی جو جلدیں ہیں وہ 1975ء کی شائع شدہ ہیں۔ جبکہ ان کا انتقال قریباً 1982ء میں ہوا ہے۔ آپ سائیں مولا شاہؒ کے مرید اور کاتب خاص تھے آپ کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود ہے ان کی کافی کا انداز ملاحظہ ہو۔

ایہہ دنیا گورکھ دھندا اے
سب وہم خیال دا پھندا اے
جنہیں توڑیا وہم دا پھندا اے
اوہنے ویکھ لیا اوہ بندہ اے
جو اس دنیا تے اندھا اے
اوہ آخر وی اندھا اے(۳۷)

کلام رحیم کے بعد ہمیں 1982ء کی شائع شدہ کتاب ''تھیا تھیا'' ملتی ہے جس کے مصنف چوہدری محمد اشرف پالؒ ہیں۔ ان کے والد کا نام جی۔ ایم عبداللہؒ ہے۔(۳۸) آپ یکم جنوری 1939ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے اور 1999ء میں شیخوپورہ میں وفات پائی۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (اکنامکس) ایم اے (ہسٹری) اور ایل ایل بی کی ڈگریاں پائیں۔ شیخوپورہ شہر میں وکالت کے پیشے سے منسلک رہے۔ ان کی کتابیں ''کیرنے'' ''تیجی اکھ'' ''لیراں''

''برگ سبز'' ''جذبِ دوراں'' اور تھیا تھیا'' ہیں(۳۹) ان کتابوں میں صرف ''تھیا تھیا'' کافیوں کی کتاب ہے نمونہ دیکھئے:

نچے جند ملنگنی
تھیا ۔ تھیا ۔ تھیا
وکھ سائیں دی رنگنی
تھیا۔ تھیا۔ تھیا(۴۰)

پال صاحب سے قبل 1977-1976ء کے لگ بھگ چھپی ہوئی ایک کتاب ''کافی جات'' بھی مارکیٹ میں موجود ہے۔ اس کتاب کے خالق جن کا نام بابا محمد شریفؒ ہے ان کا وصال1998ء کو ہوا۔ ان کی کتاب ''نوشاہی لہراں'' بھی مارکیٹ میں موجود ہے۔ جس میں ان کی نعتیں، مناقب، رباعیاں اور کافیاں موجود ہیں۔2000ء میں ان کی کافیاں (میں وچ میں) راقم نے ایڈٹ کر کے چھپوائی تھیں۔ وہ چادر کرتا پہنتے تھے اور سر پر ایک بھاری پگڑی بغیر کلّے کے باندھتے تھے ان کی کافیاں جب قوال گاتے ہیں تو ان پر خود وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی(۴۱)۔ نمونہ کافی درج ذیل ہے:

اوہ اپنی آپ مثال گڑے
اوہ سارے دا سارا راز گڑے
پاک نورانی اُسدا چہرہ
عرشیں فرشیں اُسدا پھیرا
اوہدی وکھری جہان نالوں چال گڑے
اوہ اپنی آپ مثال کڑے(۴۲)

بابا عالم شاہؒ کی کتاب ''خزینہ توحید''1986ء میں ہمیں ملی۔ یہ کتاب واقعہ قوالاں جی سے متعلق ہے تاہم اس میں سی حرفی اور کافیاں بھی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کاپی پیسٹر نے اپنی لاپروائی اور کاتب نے اپنی کم علمی کی وجہ سے کتاب کا رعب مار دیا ہے(۴۳)۔ کتاب میں

مصنف نے اپنے متعلق کوئی خاص معلومات فراہم نہیں کیں صرف ایڈریس پر ہی اکتفا کیا ہے۔ پتوان چک نمبر 176 گ۔ب تحصیل وضلع شیخوپورہ میں مقیم ہوئے 1999ء میں فوت ہوئے اور یہیں تقسیم ہند کے بعد دفن ہیں۔ آپ حقے کی مرمت کا کام کرتے تھے۔ عالم شاہؒ نے اپنی کتاب میں بابا محمد شریف کے پیر بھائی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ ان دونوں کے مرشد حضرت شیر شاہ ولیؒ (شیر کی ضلع شیخوپورہ) ہیں جو خود حضرت سائیں مولا شاہؒ نوشاہی قادری کے مرید ہیں نمونہ کافی:

سیو نی میٹوں دیو مبارک سجّار میرے گھر آیا

کیہ کہیئے ایہہ نور الٰہی وچ محمد آیا

احد میم دا برقعہ پا کے اپنا بھیس وٹایا

مل گیا نی میٹوں مرشد کامل احمد نام دھرایا

مرشد والی میم دے وچوں راز نیارا پایا(۴۴)

1987ء میں سید تنویر بخاری صاحب کی ''دھوتی'' نام کی کتاب شائع ہوئی۔ بخاری صاحب فاضل فارسی اور ایم اے پنجابی ہیں۔ انکا پیشہ معلّمی رہا ہے۔ آپ اچھے مصوّر اور کاتب بھی ہیں۔ آپ 10 نومبر 1939ء کو قصور کے گاؤں بھکھی ونڈ ھٹھیار میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام علامہ عبدالرحمٰن شاہ بخاری تھا(۴۵)۔ آپ اس وقت کم و بیش ستر کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کے بیسیوں مقالے قومی ادارہ لوک ورثہ میں موجود ہیں۔ آپ کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ میں مقیم ہیں۔ اس گاؤں میں ہر سال حضرت سائیں مولا شاہؒ کا عرس منایا جاتا ہے۔ بخاری صاحب بڑے قادر الکلام شاعر ہیں۔ انہوں نے ''کافی'' پرانی طرز سے ذرا ہٹ کر لکھی ہے۔ ان کا بیانیہ بذریعہ خاتون نہیں۔ وہ نہ خود مکان بنے ہیں نہ خود کو اس کا باسی بنایا ہے۔ اور نہ انہوں نے پرانی علامتیں استعمال کی ہیں۔ نمونہ کلام اس طرح ہے۔

میٹوں بوجھے دے وچ پالے

ماہی وے میں مٹھی چیچی میٹوں کھیاں کنوں بچالے

مینوں بوجھے دے وچ پالے

ماہی وے جگ بوہت ندیدا　　　مشری دیکھ نہ کوئی کھالے

مینوں بوجھے دے وچ پالے

بھاری لگدی اجے مٹی　　　پھڑ کے ہولا پھلکا بنالے

مینوں بوجھے دے وچ پالے(۳۶)

کافیوں کے حوالے سے 1987ء میں کافیوں کی دوسری کتاب لطیف قریشی کی ''کافیاں'' کے نام سے منظر عام پر آئی ہے۔ آپ کا اصل نام لطیف احمد قریشی ہے۔ آپ ۸ جون ۱۹۴۰ء کو قلعہ صوبا سنگھ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم اے انگلش کیا اور مختلف کالجز میں انگریزی پڑھاتے رہے۔ بعد میں سی ایس ایس کر کے انکم ٹیکس سے منسلک ہو گئے۔ آج کل لاہور میں پریکٹس کرتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام حکیم محمد فیروز الدین قریشی مرحوم ہے جن کا تعلق ترپئی قریشیاں ضلع گورداسپور سے تھا۔ قریشی صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو سرائیکی لہجے میں کافیاں گاتے کئی بار سنا تھا۔ انہوں نے ان کافیوں میں سے ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے:

''ڈاچی والیا موڑ مہار وے''

یہ مکمل کافی ہے ''لٹکیں لٹکیں آ گیا'' میں موجود ہے۔ یہ کافی حضرت سائیں مولا شاہؒ کی لکھی ہوئی ہے۔ ممکن ہے دوسری کافیاں بھی اسی شاعر کی ہوں اور قریشی صاحب اس بات سے واقف نہ ہوں کہ انڈیا کے گاؤں ''ترپئی قریشیاں'' میں سائیں مولا شاہؒ کے کافی مرید آباد تھے جس کی وجہ سے حضرت صاحب کا وہاں آنا جانا رہتا تھا۔ وہاں ایک نامور بے اولاد زمیندار کو ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا تھا بعد میں تو ترا ان کی وجہ سے باباجی ناراض ہو گئے اور انہی کی بددعا سے وہ لڑکا بچپن میں ہی بڑے ڈرامائی انداز میں فوت ہو گیا تھا۔ عین ممکن ہے حکیم صاحب کا ان سے میل ملاپ ہو اور وہ ان سے متاثر بھی ہوں۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ ایک لوگ گیت کا بول ہے اور پرانے

شعراء کا یہ بھی شعار رہا ہے کہ وہ لوک گیتوں سے اپنے کھڑے، ٹیپ بند کا انتخاب کیا کرتے تھے۔قریشی صاحب کے مجموعوں کے نام یہ ہیں:
''بار امانت'' ''سادہ نظمیں'' ''ویت نام کو سلام'' ''شب تار کا سفر'' اور'' کافیاں''(۴۷)

آج کل وہ کلام بلھے شاہ کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ ان کی کافیوں میں دو طرز کا کلام ملتا ہے ایک تو وہ جس میں انہوں نے پرانی علامات استعمال کی ہیں اور دوسری طرز وہ ہے جس میں انہوں نے پرانی علامتوں سے احتراز برتا ہے۔

دونوں نمونے حاضر ہیں

رانجھے مجھیاں چراہئیں باراں سال
تے ہیر کیویں کھیڑیاں دی

O

تخت ہزاریوں ٹر کے آیا
چودھر چھڈی چاک سدایا
مجھیں چرائیاں باراں سال
تے ہیر گیویں کھیڑیاں دی
مورکھ بے آسا کیوں ہوویں
دکھاں ہتھوں کیوں پیا رووِیں
کجھ تے موہنوں بول
پر موہرا نہ گھول
زم زم تیرے کول ہے مورکھ
زم زم تیرے کول
اج وی تو انمول(۴۸)

اسی سال میراں صاحب کی کتاب'' اسماناں دے بوہے کھول'' شائع ہوئی جس میں

150 کے قریب کافیاں ہیں۔ اس کتاب کے مصنف میراں صاحب کا اصل نام شہزاد قیصر ہے جو چھ مارچ 1950ء کو لاہور میں ڈاکٹر نذیر قیصر کے ہاں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے (فلاسفی) کیا۔ ان گنت تمغے حاصل کئے اور 1975ء میں سول سروس جائن کی دو دفعہ سیکرٹری تعلیم رہے کو آپریٹو سوسائیٹیز و سٹاف کالج وغیرہ میں بھی فرائض انجام دیے۔ 2009ء میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لی 2010ء میں انہیں پرائیڈ آف پرفارمنس ملا۔ انہوں نے کافی کو چار چار۔ چھ چھ یا آٹھ آٹھ مصرعوں والی پرانی طرز کی کافی کو صرف تین تین مصرعوں میں محدود رکھا ہے لیکن پھر بھی یہ پرانی کافی سے الگ نہیں ہے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

بڑے اوکھے نیں سدھے پینڈے
آندے رستے دے وچ غار
رتا نہ سانوں واجاں مار
اساں کتھے آں بھاگاں والے
کون لاوے گا سانوں پار
رتا نہ سانوں واجاں مار (۴۹)

1988ء میں میراں صاحب نے اپنی کافی کی دوسری کتاب ''میں ناہیں سب توں'' شائع کروائی جس میں 600 کے لگ بھگ کافیاں ہیں۔ یہ کتاب حجم کے لحاظ سے اب تک کی جملہ کتابوں سے بھاری ہے شہزاد قیصر صاحب نے اس میں بھی زیادہ تر ''اسماناں دے بوہے کھول'' والی کافی کی طرز ہی کو اپنایا ہے نمونہ کلام دیکھئے:

ناں میں سالک نہ میں صوفی
ناں میں نجدی نہ میں کوفی
میں وجوداں وچ آں کھپدا
آ پڑیں اندریں رب نوں لبھدا
اڑیا اندر وسدا ہور

بولی اللہ والی بول
اجے قدراں والی رات
آپڑیں اندر جھاتی پا(۴۴)

اسی سال سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی نے دو ایسی پنجابی کتابیں شائع کی ہیں جو خالصتاً تو کافی کی کتابیں نہیں مگر ان میں کافیاں موجود ہیں۔ ایک کتاب ’’نوائے منظر‘‘ کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں جنگی ترانوں کے علاوہ اصلاحی نظمیں اور کچھ کافیاں ہیں۔ ایک دو جگہوں پر کافی کا نام بھی استعمال ہوا ہے۔ ’’نوائے منظر‘‘ کے خالق میاں محمد اسمٰعیل منظرؔ 6 ستمبر 1910ء کو جگہ یو ہاشم شاہ ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ میاں محمد دینؒ کے بیٹے اور سائیں مولا شاہؒ کے پوتے ہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے معلم تھے اور تقسیم ہند کے بعد کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ میں مقیم ہوئے اور وہیں آپ مڈل سکول سے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے اور پیشہ طبابت سے منسلک رہے۔ انہوں نے 1997ء میں وفات پائی ان کی پہلی دو کتب ’’گل دستہ منظر‘‘ اور ’’منظر رسول‘‘، تقسیم ملک سے قبل شائع ہوئی تھیں۔ 2009ء میں ایجوکیشن یونیورسٹی نے ان پر ایم۔اے کی سطح پر مقالہ کرایا جو 2010ء میں بزم مولا شاہ نے شائع کیا۔ ان کی کتاب ’’نوائے منظر‘‘ سے ان کی کافی کا نمونہ ملاحظہ ہوں:

میرے آ وڑ ویہڑے چھاتی نال لگاواں
واراں تن من اپنا سو سو صدقے جاواں
میں ہاں گولی تیری میتھوں پھیر نہ اکھاں
مولا شاہ دے ملنگا تینوں رب دیاں رکھاں

O

کیوں پھر دی ایں انجھول کڑے — تیرا مولا تیر کول کڑے
اکو الف اکیلا واحد اے — نہ او مولوی ملاں زاہد اے
نہ او بندہ عبد تے عابد اے — اوہدی جان توں جندڑی گھول کڑے
(۵۱)

دوسری کتاب ’’ٹوہناں‘‘ ہے جس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں

نعتیں ہیں۔ دوسرے حصے میں ۱۴ کافیاں ہیں تیسرا حصہ غزلوں کا ہے یہ کتاب راقم (میاں ظفر مقبول) کی ہے تخلیقی لحاظ سے یہ دوسری اور شاعری کے اعتبار سے یہ پہلی کتاب ہے اور میرا تعلق شیخوپورہ شہر سے ہے۔ 2009ء میں ایجوکیشن یونیورسٹی نے ایم۔اے کی سطح پر مقالہ کرایا جو 2010ء میں بزم مولا شاہ نے شائع کیا:

جھلے تے دیوانے پچھے
جاواں لگ زمانے پچھے
ہوواں تجل تے خوار
توبہ استغفار (۵۲)

1990ء میں ڈاکٹر شہزاد قیصر کی کتاب '' گل وچ پایم پریت مہار'' شائع ہوئی یہ خواجہ غلام فریدؒ کے موضوع پر ہے اور یہ کتاب سرائیکی لہجہ میں ہے

1993ء میں میری لکھی ہوئی کتاب '' بول حیدری'' شائع ہوئی جس میں سائیں حیدر شاہؒ (1901ء تا1972ء) ابن سائیں مولا شاہؒ کی کافیاں ہیں۔ یہ سارا کلام لوک شاعری میں ہے۔ ان کا مزار فاروق آباد ضلع شیخوپورہ میں ہے۔

پیر پیراں دا شاہ جیلانی
ظاہرا ہے اوہ قطب ربانی
اوہ صاحب میں گولی وے میاں
تیری سانولی صورت توں میں گھولی وے میاں (۵۳)

بعدازاں مجھے تک پہنچنے والی کتاب '' ہجر سڑاواں'' ہے جو 2000میں شائع ہوئی یہ کتاب ''ادارہ لکھاریاں'' جیا موسیٰ کی شائع شدہ ہے جس کے مصنف امجد اقبال امجد ہیں جو 3 مارچ 1976ء کو قصور میں پنجابی کے معروف شاعر اقبال زخمیؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ موصوف کا تعلق شعبہ تعلیم سے ہے، مذکورہ بالا کتاب میں ان کی کچھ کافیاں ہیں جن میں نئی پرانی علامات استعمال ہوئی ہیں۔ نمونہ:

پا کے عشقے دی گل پھاہی
تنیوں ویکھن دے لئی ماہی
کیہ کیہ کیتے ویس
نہ جاویں پردیس

O

ہجر تیرے دے ورے نے
میرے سینے پائے چھیک
تنیوں ہون ہور بتھیریاں
مینوں دلبر تیری ٹیک(۴۵)

2009 میں حکیم محمد اصغر قادری کی کافیاں شائع ہوئیں قادری صاحب 1956 میں میر پور منگلا میں پیدا ہوئے چھ سال کی عمر میں بریڈ فورڈ (انگلینڈ) میں منتقل ہو گئے لیکن ان کو اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے اور یہاں بے شار ادارے ایسے چل رہے ہیں جن کی سرپرستی حکیم صاحب فرما رہے ہیں۔عشق براتاں، جہان اجمیر شریف(سفر نامہ)،شہ کون و مکاں ﷺ عرض حال و عشق سوغاتاں ان کی معروف کتابیں ہیں اس کتاب میں ان کی کچھ کافیاں شائع ہوئیں ہیں کافی کا نمونہ:

دم آوے تے آدم آدم ہو جاوے
دم آوے تے پیراں بھار کھلو جاوے
قلباں ذہناں دے وچ لاندا لو جاوے
دم آوے تے پچھلے دھونے دھو جاوے
نکل بہشتوں دھرتی اُتے رلیا اے
دھرتی اُتے آدم بوٹا پھلیا اے

رم کرم دا بدل سر تے گھلیا اے(۵۵)

اب تک ''کافی'' اور کافی پر کئے گئے کام پر روشنی ڈالنے کی پوری کوشش کی گئی ہے اور آپ اس مقالے سے محسوس کر رہے ہوں گے کہ جس طرح کافیاں تعداد میں کم لکھی گئی ہیں اسی طرح اس پر تحقیقی کام بھی کوئی خاص نہیں ہوا اور مجھے اس بات کا اعتراف بھی ہے اور افسوس بھی کہ میں آج تک اس پر کئے گئے کام سے بھی پوری طرح استفادہ نہیں کر سکا۔ تلاش بسیار کے باوجود میں سیّد عابد علی عابد کا مضمون ''ملتانی کافی میں تغزل کی علامات'' نہیں حاصل کر سکا جو ''استقلال'' میں 1962ء میں شائع ہوا تھا۔ اسی طرح پروفیسر پیارا سنگھ کا مضمون ''پنجابی وچ کافی'' اور ڈاکٹر موہن سنگھ کا مضمون ''کافی کیہ اے'' جو ماہنامہ ''پنجابی دنیا'' پٹیالہ میں بالترتیب جنوری 1972ء اور نومبر اور دسمبر 1964ء میں شائع ہوئے تھے حاصل نہیں کر سکا(۵۰)۔ حالانکہ یہ مضامین عنوان کے لحاظ سے بڑے اہم نظر آتے ہیں۔

اس ساری بحث سے ثابت یہ ہوا ہے کہ ''کافی'' حمد ہی ہے اس کو کسی طرح حمد سے الگ نہیں کیا جاسکتا بلا شبہ اس کے آثار ہمیں بابا فریدؒ سے عیاں نظر آتے ہیں لیکن اس صنف کا باقاعدہ آغاز حضرت شاہ حسینؒ کے ہاتھوں ہوا۔ پنجابی اور سندھی صوفی شعراء نے کافی کی صنف کو تبلیغ اسلام اور تزکیہ نفس کے لئے استعمال کیا ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ خالصتاً پاکستانی صنف ہے صوفیا کرام سے متعلق ہونے کی وجہ سے اس کو فقیرانہ گیت بھی کہا جاتا ہے۔

اس صنف کا تعلق گانے بجانے سے ہے اور یہ کافی راگ کے علاوہ دوسرے راگوں/ راگنیوں میں بھی گائی جاتی ہے اور سُر ساز کی وجہ سے یہ صنف دوسری اصناف سے ممتاز نظر آتی ہے شاید اسی بنا پر اس کو انگریزی صنف لیرک کے قریب کہا جاتا ہے تاہم اکثر مصنفین نے اس کو اپنی کتابوں کی زینت بنایا مگر بیسویں صدی عیسوی میں جندن ملتانی، مجید، حشمت شاہ، نجم حسین سید، مشتاق صوفی، شہزاد قیصر، لطیف قریشی، اشرف پال، محمد شریف شریف، سائیں مولا شاہؒ اور سائیں حیدر شاہؒ کے سوا خالصتاً کافی کے مجموعہ جات سامنے نہیں آئے۔

فہرست کتابیات / ماخذ

۱۔ قدر آفاقی: کافی تے کافیاں شاہ حسین در لعلاں دی پنڈ از اقبال صلاح الدین

۲۔ سید عطا حسین: کافیاں شاہ حسین از محمد آصف خان

۳۔ سعید بھٹہ، ڈاکٹر پروفیسر: کافی کی روایت در پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر انعام الحق جاوید

۴۔ عبدالغفور قریشی: پنجابی ادب دی کہانی، لاہور، عزیز بک ڈپو، 1973

۵۔ لغت: علمی لغت از وارث سرہندی لاہور علمی کتاب خانہ س ن

۶۔ لغت: گلزار معانی، مرتبہ خواجہ دل محمد، لاہور، خواجہ بک ڈپو

۷۔ شریف کنجاہی، پروفیسر: ملیر تے کافی در پنجابی ادب اپریل جون 1994ء

۸۔ اختر جعفری: ویروے، لاہور، عزیز بک ڈپو، 1979

۹۔ شاہ حسین: کافیاں شاہ حسین مرتبہ آصف خان، لاہور، پاکستان، پنجابی ادبی بورڈ 1989

۱۰۔ دلشاد کلانچوی: سرائیکی شاعری در i ماہنامہ ماہ نور فروری 1975

ii سرائیکی ادب جون 1972

۱۱۔ محمد غوثی مانڈوی: گلزار ابرار، مترجم فضل احمد جیوری، لاہور المعارف ۱۳۹۵ھ

۱۲۔ ابوالفضل: آئین اکبری، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز 1988

۱۴۔ انسائیکلوپیڈیا: اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۵، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، 1975

۱۵۔ عبدالجبار جونیجو، ڈاکٹر: کافی جوؤن

۱۶۔ شاہ حسین: کافیاں شاہ حسین مرتبہ آصف خاں

۱۷۔ اختر علی: نورنگ موسیقی، لاہور، مرکزی اردو بورڈ 1977

۱۸۔ قدر آفاقی: پنجابی کافی دی ٹور در کھوج شمارہ ۴۴

۱۹۔ ڈاکٹر نذیر احمد: کلام شاہ حسین لاہور، پیکجز لمیٹڈ 1979

۲۰۔ علی عباس جلالپوری، سید: خرد نامہ جلال پوری، جہلم، خرد افروز 1993

۲۱۔ کیفی جامپوری: سرائیکی شاعری، ملتان بزم ثقافت 1968ء

۲۲۔ نذیر احمد، ڈاکٹر: کلام شاہ حسین، لاہور، پیکجز لمیٹڈ

۲۳۔ صدیق تاثیر: پنجابی دا اپنا عروض (چھندا بندی)، لاہور، بزم فقیر پاکستان، 2009

۲۴۔ اختر علی شاہ جعفری، سید: تحریک پاکستان، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور

۲۵۔ دلشاد کلانچوی: سرائیکی شاعری

۲۶۔ کیفی جاپوری، سرائیکی شاعری

۲۷۔ دلشاد کلانچوی: سرائیکی شاعری

۲۸۔ سعید بھٹہ: کافی کی روایت در پنجابی زبان و ادب کی تاریخ از ڈاکٹر انعام الحق جاوید

۲۹۔ قدر آفاقی: پنجابی کافی دی ٹور، چھیماہی کھوج شمارہ ۴۴

۳۰۔ مولا شاہ، سائیں: مرزا صاحباں، ترجمہ میاں ظفر مقبول، گوجرانوالہ، سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی 2004

۳۱۔ ظفر مقبول، میاں: نکلیں نکلیں آ گیا کافیاں مولا شاہ، گوجرانوالہ، سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی 1988

۳۲۔ ابوالکمال برق، نوشاہی: شعراء سرگودھا، حاجی عدالت خان 1979

۳۳۔ عبدالغفور قریشی: پنجابی ادب کہانی، لاہور، عزیز بک ڈپو 1972

۳۴۔ لبھو شاہ: گنج عرفان، لاہور، جی۔ این۔ سنز پبلیشرس ن

۳۵۔ احمد شاہ، سید: صدائی المعروف گنج معانی، گوجرانوالہ سید صابر شاہ 1961

۳۶۔ ابو الکمال برق: نوشاہی شعراء سرگودھا، حاجی عدالت خان قادری نوشاہی 1978

۳۷۔ عبدالرحیم، رحیم: گلدستہ عقیدت جلد دوم فیصل آباد، مصنف 1975

۳۸۔ اشرف پال، شاعر جج، دریاواں دے، پنجابی شاعری نمبر شیخوپورہ فکر جدید پبلی کیشنز 1976

۳۹۔ تنویر بخاری: کتاب لڑی ۱۰ واشنا، پال نمبر

۴۰۔ اشرف پال: تھیا گوجرانوالہ پنجابی کلچرل سنٹر 1982

۴۱۔ ظفر مقبول، میاں: میں وچ میں (کافی بابا شریف)، گوجرانوالہ، سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی 2000

۴۲۔ بابا شریف: نوشاہی لہراں فیصل آباد، مصنف س ن۔

۴۳۔ ظفر مقبول، میاں: نکلیں نکلیں آ گیا

۴۴۔ عالم شاہ: خزینہ توحید، شیخوپورہ، مصنف اڈا پنواں س ن

۴۵۔ رؤف شیخ: مست فقیر تنویر بخاری، لاہور، ادارہ پنجاب رنگ 1980

۴۶۔ تنویر بخاری: دھونی، گوجرانوالہ، پنجابی کلچرل سنٹر 1987

۴۷۔ لطیف قریشی: شب تار کا سفر، لاہور، ماورا پبلشر 1987

۴۸۔ لطیف قریشی: کافیاں، لاہور، ماورا پبلشر 1987

۴۹۔ شہزاد قیصر: آساناں دے بوہے کھول، لاہور جہاں نماں پبلی کیشنز 1987

۵۰۔ شہزاد قیصر: میں ناہیں سب توں، لاہور جہاں نماں پبلی کیشنز 1988

۵۱۔ محمد اسماعیل منظر: نوائے منظر، گوجرانوالہ سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی1988

۵۲۔ ظفر مقبول، میاں: ٹونیاں، گوجرانوالہ، سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی1988

۵۴۔ ظفر مقبول، میاں: بول حیدری، گوجرانوالہ، سائیں مولا شاہ ویلفیئر سوسائٹی1993

۵۵۔ امجد اقبال امجد: ہجر سزاواں، لاہور، ادارہ پنجابی لکھاریاں2001

۵۶۔ محمد اصغر قادری چشتی، حکیم: عشق سوغاتاں، یو۔کے،صوفی فاونڈیشن بریڈفورڈ 2009

۵۷۔ اقبال صلاح الدین: فہرست مقالات موضوع وار اوکاڑہ، قبیلہ ناشرین،1984

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆